مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

عورت کا مقام حقوق و فرائض اور دائرہ کار

(کلامِ اقبال کی روشنی میں)

جدید اردو شاعری میں غالباً حالی واقبال ہی دو ایسے شاعر ہیں، جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت اور سطحیت نہیں ملتی۔ بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام و احترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے۔

اقبال عورتوں کے لیے وہی طرزِ حیات پسند کرتے تھے جو صدرِ اسلام میں پایا جاتا تھا، جس میں عورتیں مروّجہ برقع کے نہ ہوتے ہوئے بھی شرم و حیا، اور احساسِ عفت و عصمت میں آج سے کہیں زیادہ آگے تھیں، اور شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔

۱۹۱۲ء میں طرابلس کی جنگ میں جب ان کو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی تو انہوں نے اس کا زوردار ماتم کیا۔

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے ۔۔۔ ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی ۔۔۔ غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر ۔۔۔ ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی ۔۔۔ ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی
اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں ۔۔۔ بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں
فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے ۔۔۔ نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے ۔۔۔ ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں ۔۔۔ پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں

انہیں ہنروَرانِ ہند اور ایسے تمام فن کاروں سے شکایت تھی، جو عورت کے نام کا غلط استعمال کر کے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور مقصدیت کو صدمہ پہنچاتے ہیں، وہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں۔

چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند ۔۔۔ کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار

ہند کے شاعر و صورتگر و افسانہ نویس — آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

وہ "دخترانِ ملت" سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان خاتون کے لیے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں کفر ہے، بلکہ انہیں تو اپنی شخصیت، انقلابی فطرت اور پاکیزہ نگاہی سے باطل کی امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہیئے۔

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا — مسلماں را نہ زیبد کافری ہا
منہ دل بر جمالِ غازہ پرور — بیاموز از نگہ غارتگری ہا

وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو پردہ کے اہتمام کے ساتھ بھی معاشرہ اور زندگی میں اس طرح رہنا چاہیئے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حریم کائنات اس طرح روشن رہے، جس طرح ذاتِ باری کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے۔

ضمیرِ عصرِ حاضر بے نقاب ست — کشادش در نمودِ رنگ و آب ست
جہاں تابی ز نورِ حق بیاموز — کہ او با صد تجلّی در حجاب ست

وہ دنیا کی سرگرمیوں کی اصل ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امینِ ممکنات ہے اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل اور جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں ان کا نظامِ زندگی سنبھل نہیں سکتا۔

جہاں را محکمی از امّہات ست — نہادِ شاں امینِ ممکنات ست
اگر ایں نکتہ را قومے نداند — نظامِ کاروبارش بے ثبات ست

وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدہ محترمہ کا فیضِ نظر بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آداب و اخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں ماؤں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں۔

مرا داد ایں خرد پرور جنونے — نگاہِ مادرِ پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن — کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

وہ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی و حال کو ان کی ماؤں کا فیض قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے ؎

خنک آں ملتے کز وارداتش — قیامت ہا بہ بیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد او را — تواں دید از جبینِ امہاتش

وہ ملّت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملت کی تقدیر سازی کا کام کریں، اور ملت کی شام الم کو صبح بہار سے بدل دیں اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیض عام کریں۔ جیسے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل دی اور اپنے لحن ولہجہ کے سوز و ساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا۔

زشام ما بروں آور سحر را　　بہ قرآں باز خواں اہل نظر را
تو می دانی کہ سوز قرأت تو　　دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را

اقبال معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مرکزی مقام کے قائل ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ خاندانی نظام میں جذبۂ امومت اصل کا حکم رکھتا ہے اور اسی کے فیض سے نسل انسانیت کا باغ لہلہاتا رہتا ہے، ان کا خیال ہے کہ جس طرح گھر سے باہر کی زندگی میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے، اسی طرح گھر کے اندر کی سرگرمیوں میں عورت اور خصوصاً ماں کی اہمیت ہے، اس لیے کہ اس کے ذمہ نئی نسل کی داشت و پرداخت اور دیکھ بھال ہوتی ہے، انسان کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتی ہے، ماں جتنی مہذب، شائستہ اور بلند خیال ہوگی بچے پر بھی اتنا ہی یہ اثرات مرتب ہوں گے۔ اور ایک اچھی اور قابل فخر نسل تربیت پا سکے گی۔

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف و امتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے ..... جو قومیں امومت (حق مادری) کے آداب نہیں بجا لاتیں تو ان کا نظام ناپائدار اور بے اساس ہوتا ہے، اور خاندانی امن وسکون درہم برہم ہو جاتا ہے، افراد خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہو جاتا ہے، چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جاتی ہے، اور بالآخر اقدار عالیہ اور اخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں، ان کے خیال میں مغرب کا اخلاقی بحران اسی لیے رونما ہوا ہے کہ وہاں ماں کا احترام اور صنفی پاکیزگی ختم ہوگئی ہے۔

وہ آزادئ نسواں کی تحریک کے ..... اسی لئے حامی نہیں کہ اس کا نتیجہ دوسرے انداز میں عورتوں کی غلامی ہے، اس سے ان کی مشکلات آسان نہیں اور پیچیدہ ہو جائیں گی، اور انسانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جذبۂ امومت ختم ہو جائے گا۔ ماں کی ممتا کی روایت کمزور پڑ جائے گی، اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے عورت اپنی خصوصیات کھو دیتی ہے، وہ علم نہیں، بلکہ موت ہے اور فرنگی تہذیب قوموں کو اسی موت کی دعوت دے رہی ہے۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت　　ہے حضرت انساں کے لیے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن　　کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

بیگانہ رہے دین سے اگر مدرسۂ زن　　ہے عشق و محبت کیلئے علم و ہنر موت

علم او بارِ امومت برنتافت　　بر سرِ شاخش یکے اختر نتافت
ایں گل از بستانِ ما نارستہ بہ　　داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

اقبال کے خیال میں آزادئ نسواں ہو یا آزادئ رجال یہ دونوں کوئی معنی نہیں رکھتے، بلکہ مرد و زن کا ربط باہمی، ایثار، اور تعاون ایک دوسرے کے لیے ضروری ہے۔ زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے، ایک دوسرے سے عدم تعاون کے سبب زندگی کا کام ادھورا اور اس کی رونق پھیکی ہو جائے گی۔ اور بالآخر یہ نوع انسانی کا نقصان ہوگا۔

مرد و زن وابستۂ یک دیگر ند　　کائنات شوق را صورت گر اند
زن نگہ دارندۂ نارِ حیات　　فطرت او لوحِ اسرارِ حیات
آتش ما را بجانِ خود زند،　　جوہر او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی　　از تب و تابش ثباتِ زندگی
اوجِ ما از ارجمندی ہائے او　　باہمہ از نقشبندی ہائے او

اقبال فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم و ادب کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکے تب بھی صرف اس کی ممتا ہی قابل قدر ہے، جس کے طفیل مشاہیر عالم پروان چڑھتے ہیں، اور دنیا کا کوئی انسان نہیں، جو اس کا ممنون احسان نہیں ہے

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ　　اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اسکی　　کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُر مکنوں،
مکالمات فلاطون نہ لکھ سکی لیکن　　اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں!

آزادئ نسواں کی تحریک سے مرد و زن کا رشتہ جس طرح کٹا اور اس کے جو برے نتائج سامنے آئے اقبال کی نظر میں اس کی ذمہ دار مغربی تہذیب ہے، "مرد فرنگ" کے عنوان سے کہتے ہیں۔

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا　　مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں　　گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور　　کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے ہند ویوناں ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال مرد بیکار وزن تہی آغوش

اقبال پردے کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت کے لیے کوئی رکاوٹ نہیں، وہ پردے میں رہ کر تمام جائز سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے اور اپنے فرائض کی انجام دہی کر سکتی ہے، کیونکہ خالق کائنات پس پردہ ہی کارگاہِ عالم کو چلا رہا ہے، اس کی ذات گو حجاب قدس میں ہے، لیکن اس کی صفات کی پرچھائیاں بحر و بر پر پھیلی ہوئی ہیں، مولانا آسی نے خوب کہا ہے

بے حجابی یہ کہ ہر شے سے ہے جلوہ آشکار
اس پہ پردہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

اقبال عورت کو خطاب کرتے ہیں کہ

جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او با صد تجلی در حجاب است

وہ پردہ کے مخالفوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ جسم کا حجاب ہے، لیکن اسے عورت کی بلند صفات اور پنہاں امکانات کے لیے رکاوٹ کیسے کہا جا سکتا ہے اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرے پر پردہ ہو یا نہ ہو، بلکہ یہ ہے کہ شخصیت، اور حقیقت ذات پر پردے نہ پڑے ہوں، اور انسان کی خودی بیدار اور آشکار ہو چکی ہو۔

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے وہ خلوت نشیں ہے یہ جلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

پردے کی حمایت و تائید میں اقبال نے "خلوت" کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو نسلوں کی تربیت پر صرف کرنے اور اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہ کر اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر کا سامان میسر آتا ہے، گھر کے پُرسکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں، اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لیے بہتر کارگزاری کر سکتی ہے

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے روشن ہے نگہ آئینۂ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

خلوت میں خودی ہوتی ہے خودگیر و لیکن
خلوت نہیں اب دیر وحرم میں بھی میسّر

ایک بڑا معاشرتی سوال یہ رہا ہے کہ مرد و زن کے تعلق میں بالادستی (UPPER HAND) کسے حاصل ہو اس لیے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ایک فریق شریک غالب کی حیثیت ضرور رکھتا ہے، اور یہ اس کائناتی حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر شئے اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے، اور ہر ایک، ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے، خصوصاً مرد و زن کے تعلقات میں چند چیزوں میں مرد کو عورت پر فضیلت اور اولیت حاصل ہے، اور یہ بھی کسی نسلی اور صنفی تفریق کی بنا پر نہیں بلکہ خود عورت کے حیاتیاتی، عضویاتی فرق اور فطرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے حقوق و مصالح کی رعایت کے پیش نظر ہے نگرانی اور "قوامیت" ایسی چیز نہیں جو مرد اور عورت دونوں کے سپرد کر دی جاتی یا عورت کو دے دی جاتی، اقبال نے مغرب کے نام نہاد "آزادئ نسواں" کی پروا کیے بغیر عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پرزور وکالت کی اور عورت کی حفاظت کے عنوان سے کہا۔

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور — کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی! — نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا — اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

یہ نظم درحقیقت حدیث شریف "لن یفلح قوم ولوا علیہم امرأۃ" کی ترجمانی ہے، انہوں نے اپنی دوسری نظم میں فرمایا۔

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منتِ غیر — غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپِ غم کا یہی نکتۂ شوق — آتشیں لذتِ تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات — گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود
میں بھی مظلومئ نسواں سے ہوں غمناک بہت — نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

اقبال اپنے کلام میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بلند ارشادات بھی لاتے ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ "حبب الیّ من دنیاکم الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوۃ" (مجھے دنیا کی چیزوں میں خوشبو اور عورتیں پسند کرائی گئی ہیں، اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) اقبال نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے کہ "جنت" ماؤں کے قدموں تلے ہے، انہوں نے امومت کو رحمت کہا ہے، اور اسے نبوت سے تشبیہ دی ہے ماں کی شفقت کو وہ پیغمبر کی شفقت کے قریب کہتے ہیں، اس لیے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے اور ایک ملت وجود میں آتی ہے۔

آں یکے شمع شبستانِ حرم ‏ حافظ جمعیتِ خیر الامم
سیرت فرزند ہا از امہات ‏ جوہر صدق و صفا از امہات
آنکہؐ نازد بر وجودش کائنات ‏ ذکر او فرمود با طیب و صلوٰۃ
گفت آں مقصودِؐ حرف کن فکاں ‏ زیر پائے امہات آمد جناں
نیک اگر بینی امومت رحمت ست ‏ زانکہ او را با نبوت نسبت ست
شفقتِ او شفقت پیغمبر است ‏ سیرت اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیر ما ‏ در خط سیمائے او تقدیر ما
آب بند نخل جمعیت توئے ‏ حافظ سرمایۂ ملت توئی
ہوشیار از دست برد روزگار ‏ گیر فرزندانِ خود را در کنار

اخیر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ملت اسلامیہ کی ماؤں کے لیے مثالی خاتون سمجھتے ہیں، اور جگہ جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں، کہ وہ کس طرح چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پڑھتی رہتی تھیں اور گھریلو کاموں میں مشکیزہ تک اٹھانے پر صبر فرماتی تھیں، اقبال کے خیال میں سیرت کی اسی پختگی سے حضرات حسنین رضؓ ان کی آغوش سے نکلے۔

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ ‏ مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
آں ادب پروردۂ صبر و رضا ‏ آسیا گرداں و لب قرآں سرا
فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند ‏ چشم ہوش از اسوۂ زہراؓ بلند
تا حسینےؓ شاخ تو بار آورد ‏ موسم پیشیں بہ گلزار آورد!

وہ مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ۔

اگر پندے ز درویشے پذیری ‏ ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولےؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر ‏ کہ در آغوش شبیرؓے بگیری!